Michel Foucault: A Critical Study of Life, Sexuality and Intellectual Formation

میشل فوکو کی زندگی اور جنسیت: ذاتی تجربات اور فکری تشکیل کا تنقیدی جائزہ

Sajida Aslam*[1]
PhD Scholar, Department Of Urdu, The Women University Multan.
Dr.Azra Perveen*[2]
Associate Professor, Department Of Urdu, The Women University Multan.

☆[1] ساجدہ اسلم
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، دی وویمن یونیورسٹی، ملتان
☆[2] ڈاکٹر عذرا پروین
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، دی وویمن یونیورسٹی، ملتان

Correspondance: sajidarao94@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 29-07-2025
Accepted:22-09-2025
Online:29-09-2025

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Michel Foucault is regarded as one of the most influential thinkers of the twentieth century who sought to reinterpret the interrelation of power, knowledge, and sexuality through new perspectives. This paper offers a critical analysis of the connection between Foucault's personal life and his intellectual development. In particular, it examines his experiences of homosexuality, his exploration of new possibilities of pleasure within the American social milieu, and his reflections on unconventional sexual practices such as sadomasochism. The study further highlights that Foucault did not perceive sexuality merely as a biological reality or a form of social repression, but as a field of freedom, self-formation, and the strategic play of power. However, these experiences also led to crises in his personal life, manifesting in social criticism, public controversy, and ultimately illness and death. The purpose of this paper is to demonstrate that Foucault's personal experiences not only shaped his philosophical trajectory but also provided a critical discourse on sexuality that continues to hold central significance in contemporary intellectual debates.

KEYWORDS: Michel Foucault; sexuality; power

& knowledge; homosexuality; sadomasochism; pleasure; discourse.

میشل فوکو (Michel Foucault) بیسویں صدی کے اُن فرانسیسی مفکرین میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے مغربی فکر کے بنیادی تصورات کو نئی جہت دی۔ 1926ء میں پواتیئے (Poitiers) میں پیدا ہونے والے فوکو نے فلسفہ، نفسیات اور سماجی علوم کو یکجا کر کے ایسے مباحث پیش کیے جنہوں نے معاصر فکر کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ ان کی علمی زندگی تدریس، تحقیق اور فکری جستجو سے عبارت تھی، مگر ان کے افکار کو سمجھنے کے لیے ان کی ذاتی زندگی کے نشیب و فراز کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ایک ایسے مفکر تھے جن کی شخصیت میں فکری ژرف نگاہی اور داخلی بے چینی ساتھ ساتھ موجود رہی اور یہی امتزاج ان کی انفرادیت کا سبب بنا۔ ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں سب سے زیادہ اثر انگیز اور بحث طلب پہلو جنسیت ہے۔ فوکو کی شخصیت اور فکر کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ جنسیت ان کے تجربات اور طرزِ حیات میں کس طرح جلوہ گر ہوئی اور کس طرح اس نے ان کے وجود اور نظریات پر اثر ڈالا۔ یہی پہلو اس مقالے کا مرکزی نقطہ ہے، جو فوکو کی زندگی اور جنسیت کے باہمی رشتے کو ایک تنقیدی زاویے سے دیکھنے کی کوشش ہے۔

میشل فوکو کی تحریروں میں جنسیت محض ایک حیاتیاتی یا نفسیاتی مسئلہ نہیں بلکہ طاقت، علم اور سماجی ڈھانچوں کے باہمی رشتے کے تناظر میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ تاہم اس کے ذاتی تعلقات، خواہ وہ ہم جنس کشش پر مبنی ہوں یا لذت کے فلسفے سے وابستہ تجربات، اس کے فکری پس منظر کو زیادہ گہرائی سے واضح کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے فوکو کی جنسی زندگی اور لذت کے تصورات کا مطالعہ نہ صرف اس کی فکری سمت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے بلکہ اس ذاتی و فلسفیانہ ربط کو بھی سامنے لاتا ہے جو اس کے اکثر مباحث میں نمایاں ہے۔ نومبر 1971ء میں ڈچ ٹیلی ویژن پر نوم چومسکی کے ساتھ مباحثے کے دوران فوکو نے اپنی ذاتی زندگی سے متعلق کسی بھی قسم کی معلومات فراہم کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن مئی 1981ء میں اس نے خود کہا کہ:

> "کسی حد تک میں ہمیشہ چاہتا تھا کہ میری کتابیں ایک خود نوشت کی طرح بکھری ہوئی ہوں۔ میری کتابیں وہ مسائل بیان کرتی ہیں جنہیں میں نے محسوس کیا، خاص طور پر دیوانگی، جیلوں اور جنسیت سے متعلق مسائل[1]"

ایک برس بعد ورمونٹ میں اس نے خود وضاحت کی:

> "میرا ہر ایک کام میری اپنی سوانح حیات کا قصہ ہے[2]"

یہ بیانات اس حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ فوکو کے نزدیک اس کی فکری پیداوار اور ذاتی تجربات الگ نہیں تھے۔ اس کے قریبی حلقوں کو بخوبی اندازہ تھا کہ اس کی زندگی میں جنسی تجربات، لذت کی تلاش اور سماجی جبر کے خلاف مزاحمت ساتھ ساتھ موجود تھے۔ اس کے تعلقات محض جسمانی کشش پر مبنی نہیں تھے بلکہ ایک فکری اور وجودی عنصر بھی ان میں شامل تھا، جو اس کی تحریروں میں "لذت کے فن" اور "خواہش کی سیاست" جیسے موضوعات میں جھلکتا ہے۔ اسی تناظر میں فوکو کی جنسی زندگی کا مطالعہ محض سوانحی تجسس نہیں بلکہ اس کے فلسفے کی جڑوں کو سمجھنے کا ایک ناگزیر وسیلہ ہے۔ اس نے خود اعتراف کیا تھا کہ اس کے بیشتر نظری مباحث ذاتی تجربات ہی سے جنم لیتے اور ان سے توانائی حاصل کرتے تھے۔ اس سلسلے میں 1983ء کا ایک غیر معمولی انٹرویو خاص اہمیت رکھتا ہے جہاں اس نے کہا:

> "میری ذاتی زندگی بالکل بھی دلچسپ نہیں۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ میرا کام فلاں فلاں حصے کے حوالے کے بغیر نہیں سمجھا جا سکتا، تو میں اس سوال پر غور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ (ہنسی) میں تیار ہوں یہ جواب دینے کے لیے کہ آیا میں متفق ہوں۔ جہاں تک میری ذاتی زندگی غیر دلچسپ ہے، اسے راز رکھنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ (ہنسی) اسی طرح، اسے مشتہر کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔[(3)]

یہ بیان فوکو کی اس احتیاط اور تذبذب کو ظاہر کرتا ہے جو وہ اپنی زندگی اور فکر کے درمیان فاصلہ قائم رکھنے کے باوجود بعض مواقع پر دونوں کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے میں برتتا تھا۔ فوکو کی ابتدائی جنسی زندگی کے بارے میں براہِ راست شواہد کم میسر آتے ہیں، تاہم اس کے چند بیانات اور قریبی حلقے کے مشاہدات اس باب پر روشنی ڈالتے ہیں۔ 1981ء میں فوکو نے ایک گفتگو میں اعتراف کیا کہ جب سے اسے شعور آیا، وہ اپنے ہی جنس کے افراد کی طرف مائل تھا اور ہمیشہ لڑکوں یا مردوں سے قربت کا خواہاں رہا۔ اس نے ایک جگہ یہ سوال اٹھایا تھا:

> "How is it possible for men to live together, to share time, meals, a room, loves, grief, knowledge, trust?"[(4)]

یہ سوال، دراصل ایک ہمہ گیر خواہش یا "خواہش کی فکر" تھی، جو اسے بچپن ہی سے مضطرب رکھتی تھی۔ یہ بات یقینی نہیں کہ نوعمری میں اس نے اس "خواہش کی فکر" کو عملی شکل دی یا نہیں، لیکن یہ ریکارڈ پر موجود ہے کہ اس نے اپنی پہلی "دوستی" بیس برس کی عمر میں قائم کی، جب وہ پیرس میں École Normale Supérieure کا طالب علم تھا۔[i] اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ فوکو کی حقیقی جنسی و جذباتی زندگی کا آغاز نوجوانی کے ابتدائی مرحلے میں ہوا، جب وہ اپنے خاندانی اور سماجی ماحول سے نکل کر ایک نئے فکری اور سماجی تناظر میں داخل ہوا۔

یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ فوکو کی ابتدائی زندگی جس فضا میں گزری، وہ ایسے تجربات کے لیے بالکل سازگار نہیں تھی۔ اُس وقت فرانس میں ویشی (Vichy) حکومت کی سخت گیر پالیسیوں کے تحت ہم جنس پرستی کو شدید گناہ اور اخلاقی زوال کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ پواتیئے جیسا قصبہ، جہاں فوکو کا خاندان رہتا تھا، ایک محدود اور پدرانہ اقدار پر قائم معاشرتی ڈھانچے کا حامل تھا۔ پال-میشل کی ماں ایک شفیق مگر سخت نگرانی کرنے والی خاتون تھیں، اس لیے اس کے لیے ابتدائی برسوں میں کسی قسم کی جنسی آزادی یا تجربہ ممکن نہ تھا۔ نہ اس کی عمر، نہ مقام اور نہ ہی خاندانی پس منظر اسے ایسے مواقع فراہم کر سکتا تھا جنہیں بعد ازاں وہ اپنی تحریروں میں ''لذتوں کے استعمال'' کے تناظر میں بیان کرتا ہے۔(5) لہٰذا غالب امکان یہی ہے کہ فوکو کو کسی گہرے جنسی تجربے کا موقع اس وقت تک نہ ملا جب تک وہ تعلیم کے لیے پیرس منتقل نہ ہوا۔ اس مرحلے پر اس نے پہلی بار اپنی ''خواہش کی فکر'' کو عملی تعلق میں ڈھالا، اور یہی لمحہ اس کی ذاتی اور فکری زندگی کے ارتقائی سفر میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔

چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ مشل فوکو کی زندگی کا ایک نیا باب اُس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ ایکول نارمال سپیریئر (ÉNS) میں داخل ہوتا ہے۔ بظاہر یہ ادارہ فرانس کے ذہین ترین اذہان کے لیے ایک خواب گاہ تھا، لیکن فوکو کے لیے یہ خواب ایک کابوس میں بدل گیا۔ یہاں وہ ایک ایسی فضا میں داخل ہوا جو اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ فوکو کی شخصیت میں پہلے ہی ایک کجی، تنہائی اور بے اطمینانی موجود تھی، لیکن رو دی اُلم (rue d'Ulm) میں موجود ماحول نے ان پہلوؤں کو اور شدید بنا دیا۔ یہاں ایک عجیب و غریب اور پیتھوجینک (مرض انگیز) فضا قائم تھی جہاں ہر فرد کو چمکنے، نمایاں ہونے اور غیر معمولی نظر آنے کی جستجو تھی۔ گویا ہر طالب علم سے یہ تقاضا تھا کہ وہ ایک ایسی انفرادیت پیدا کرے جو آنے والے وقتوں کی عظمت کا استحقاق ثابت ہو۔ اس فضا نے طلبہ کو ذہنی دباؤ اور فکری کشمکش میں مبتلا کر دیا، یہاں تک کہ کئی افراد برسوں بعد اپنے تجربات کو افسوس اور تلخی کے ساتھ یاد کرتے۔ جیسا کہ ژاں دیپرن (Jean Deprun) نے کہا کہ ''ایکول میں ہر کوئی اپنا بدترین پہلو دکھاتا ہے۔'' اور گائے ڈیگن(Guy Degen) جو فوکو کا ہم کمرہ (coturne) تھا، اس پر اضافہ کرتے ہیں کہ ''وہاں ہر کسی کو کسی نہ کسی ذہنی عارضے کا سامنا تھا۔''(6)

فوکو اس ماحول کے ساتھ ہم آہنگ نہ ہو سکا۔ وہ معمول کی زندگی کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھا اور ادارے کے داخلی نظم و ضبط اور روایتی معاشرتی روابط کے ساتھ خود کو ڈھالنے میں ناکام رہا۔ اس کے مزاج کی تنہائی اور بے چکی اسے دوسروں سے جدا کر دیتی۔ بعد میں ایک طالب علم نے موریس پینگے (Maurice Pinguet) کو بتایا کہ رو دی اُلم کا ماضی فوکو کے لیے بھی کبھی ناقابلِ برداشت ہوتا تھا۔ چنانچہ فوکو زیادہ تر تنہائی میں پناہ لیتا اور جب باہر نکلتا تو صرف دوسروں کا مذاق اڑانے یا طنزیہ رویہ اپنانے کے لیے۔ اس کی طنزیہ درندگی خاص طور پر کھانے کے ہال میں نمایاں ہوتی، جہاں وہ اپنے ناپسندیدہ ساتھیوں پر تضحیک آمیز القاب اچھالتا، ان سے الجھتا اور ہر کسی کے ساتھ تلخی پیدا کر لیتا۔ اس جارحیت میں بڑائی اور ذہانت کی نمائش کا رجحان بھی شامل تھا۔ اسے اپنی ذہانت اور علمی برتری کو دکھانے کا ایسا خبط تھا کہ جلد ہی وہ تقریباً متفقہ طور پر ناپسندیدہ شخصیت بن گیا۔ سب اسے ''پاگل'' کہتے تھے۔ فوکو کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں گردش کرنے لگیں۔

یہاں تک کہ ایک استاد نے اسے ایک روز خون آلود حالت میں، سینے پر چاقو کے زخم کے ساتھ فرش پر پایا۔ ایک اور موقع پر وہ خنجر لیے اپنے ایک ساتھی کے پیچھے بھاگتا ہوا دیکھا گیا ان(7) واقعات نے اس کی شخصیت کو مزید پراسرار، پر تشویش اور حد درجہ غیر معمولی بنا دیا۔

ایکول نارمال سپیریئر میں فوکو کی زندگی جہاں فکری طور پر شدت پکڑ رہی تھی، وہیں اس کی ذاتی زندگی مسلسل بحران کا شکار تھی۔ ان بحرانوں میں ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ اپنے ENS کے برسوں میں وقفے وقفے سے شدید شراب نوشی کرتا تھا۔ اگرچہ یہ طے کرنا مشکل ہے کہ یہ اس کی افسردگی کا سبب تھا یا اس کی علامت، لیکن اس رویے نے اس کے نفسیاتی اضطراب کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔ اسی دوران اس کے بارے میں یہ افواہیں بھی گردش کرتی رہیں کہ وہ کبھی کبھار ہلکی نوعیت کی منشیات مثلاً چرس یا افیون استعمال کرتا ہے۔ 1948ء میں جب اس نے خودکشی کی کوشش کی تو اس کے بیشتر ساتھی اس عمل کو محض اس بات کی تصدیق سمجھتے ہیں جو وہ پہلے ہی جان چکے تھے کہ اس کی ذہنی حالت شدید ناپائیدار ہے۔ جیسا کہ ایک معاصر نے کہا "اس کی زندگی ہمیشہ پاگل پن کے کنارے پر چلتی رہی۔" یہ وہ وقت تھا جب فوکو کی شخصیت کے اندرونی تضادات، اس کی ذہانت کے دباؤ اور اس کے جنسی و سماجی تجربات کے درمیان کشمکش اپنے عروج پر تھی۔ ایکول میں داخلے کے محض دو سال بعد فوکو کا پہلا عملی رابطہ ایک نفسیاتی ادارے سے ہوتا ہے، جب وہ اپنے والد کے ہمراہ سینٹ-آن (Sainte-Anne) کے ہسپتال پہنچتا ہے۔ یہاں وہ ڈاکٹر ڈی لے (Delay) کے کلینک میں داخل کیا جاتا ہے جو فرانسیسی نفسیات کے صفِ اول کے ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ یہ فوکو کی زندگی کا پہلا لمحہ تھا جب وہ اس غیر مستحکم لکیر کے قریب آ گیا جو پاگل اور صحت مند، دماغی مریض اور نارمل کے درمیان امتیاز کھینچنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہی تجربہ بعد میں اس کے فکری سفر میں "تہذیب اور دیوانگی" کے تعلق کو سمجھنے کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

اس کربناک تجربے نے فوکو کو ایک ایسا موقع فراہم کیا جو اکثر طلبہ کو نصیب نہیں ہوتا۔ ایکول کے نرسنگ روم میں اسے ایک الگ کمرہ دیا گیا جہاں وہ تنہائی میں سکون سے مطالعہ کر سکتا تھا۔ بعد میں، جب اس کے اساتذہ کلاسز نہیں لیتے تھے، فوکو نے اسی کمرے کو 1950-51 کے لیے اگریگاسیوں (agrégation) کی تیاری کے لیے استعمال کیا۔ لیکن ان برسوں میں اس کی زندگی ایک تاریک اور خطرناک راہ پر بھی گامزن رہی۔ اس نے خودکشی کی متعدد کوششیں کیں، حتیٰ کہ ایک دوست کی گواہی کے مطابق وہ اس خیال میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ ایک دن جب ایک ساتھی نے اس سے پوچھا "کہاں جا رہے ہو؟" تو اس نے جواب دیا "رسی خریدنے، تاکہ خود کو پھانسی دے سکوں"۔ ایکول کے معالج نے پیشہ ورانہ رازداری کے تحت محض اتنا کہا کہ فوکو کے مسائل "ایک بہت بری طرح جھیلی گئی اور ناقص طور پر تسلیم شدہ ہم جنس پرستی" کا نتیجہ ہیں۔ اور حقیقت بھی کچھ یہی تھی۔ فوکو رات کے وقت ہم جنس پرستوں کے مخصوص ٹھکانوں اور بارز کی طرف اپنی خفیہ مہمات سے لوٹ کر گھنٹوں تک بستر پر بے سدھ پڑا رہتا، بیمار، شرم سے چُور اور اکثر اس حد تک نڈھال کہ ڈاکٹر آتیئن (Étienne) کو اس کا خاص خیال رکھنا پڑتا تاکہ وہ کوئی ناقابلِ واپسی قدم نہ اٹھا لے(8)

یہ صورت حال اس وقت کے سماجی اور ثقافتی ماحول کی بھی عکاس تھی۔ اُس دور میں ہم جنس پرستی کو جینا نہایت کٹھن اور اذیت ناک تھا۔ دومینیک فرنانڈیز(Dominique Fernandez)، جو 1950 میں رودی اُلم آیا، اس کیفیت کو "شرمندگی اور خفیہ کاری کا دور" قرار دیتا ہے۔ اس کے مطابق یہ وہ زمانہ تھا جب لذت کے لمحات کو اندھیروں میں چھپانا پڑتا تھا، کیونکہ دن کی روشنی میں انہیں قبول کرنا ممکن نہ تھا۔ اپنے تجربات بیان کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:

'مجھے احساس ہوتا تھا کہ: (1) میں دوسروں سے ہٹ کر پروان چڑھوں گا، ایسی باتوں میں دلچسپی رکھتے ہوئے جنہیں اپنے اردگرد کسی سے نہ کہہ سکوں؛ (2) یہ کیفیت ہمیشہ اذیت کا باعث رہے گی؛ (3) لیکن یہ ایک خفیہ اور شاندار انتخاب کی علامت بھی ہے[9]۔

اپنی حالت کے باعث کتابوں کی جو لائبریری دومینیک نے جمع کی، اس کی یاد تازہ کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:

1950ء اور اس کے بعد کے دس پندرہ سالوں میں جو کتابیں میں نے جمع کیں، وہ سب مجھے صرف صدمے، عصبی بیماری، فطری کمتری اور بدقسمتی کی طرف میلان کا بتاتی تھیں۔ ان تحریروں میں بار بار نظر آنے والے کیسز کے ذریعے میں اپنے بارے میں جو خاکہ بنا سکتا تھا وہ ایک کمتر وجود کا تھا، جس کا مقدر اذیت ہے۔[10]"

یہ صرف دومینیک کا تجربہ نہ تھا بلکہ وہ اجتماعی احساس تھا جس نے ایک پوری نسل کے ذہنوں کو جکڑ رکھا تھا۔ انہی تجربات کی بھٹی میں فوکو بھی تپ رہا تھا۔ کتنے لوگ اس جبر کا شکار ہوئے؟ کتنے کو مسلسل جھوٹ بولنا پڑا، کبھی دوسروں سے اور کبھی خود اپنے آپ سے؟ انہی میں سے ایک فوکو بھی تھا۔ اس کے ہم جماعتوں اور دوستوں میں سے بعض کو اس کے ہم جنس پرست ہونے کا بعد میں علم ہوا، بعض کو صرف شبہ رہا اور بعض نے اتفاقاً جان لیا۔ لیکن سب اس پر متفق تھے کہ فوکو کا ذہنی توازن غیر مستحکم تھا اور یہی کیفیت اس کے علمِ نفسیات اور ماہرینِ نفسیات میں جنونی دلچسپی کی بنیاد بنی۔

ایک دوست کے مطابق "وہ جاننا چاہتا تھا کہ ذاتی اور محرومی سے جڑی حقیقتوں کا کیا مطلب ہے۔" دوسرے نے کہا "اس کی نفسیات میں دلچسپی اس کی ذاتی زندگی کے عناصر سے جڑی ہوئی تھی۔" اور جب *Histoire de la folie* شائع ہوئی تو بہتوں نے سمجھا کہ یہ محض ایک تحقیقی کتاب نہیں بلکہ اس کی اپنی زندگی کی بازگشت ہے۔ ایک قریبی دوست نے کہا "میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ ایک دن وہ جنسیّت پر لکھے گا۔ اس کے لیے جنسیّت کو اپنی فکر کے مرکز میں رکھنا ناگزیر تھا، کیونکہ یہ اس کی اپنی زندگی کا مرکز تھی۔" یہ تاثر اس کی بعد کی تحریروں میں بھی نمایاں ہوتا ہے۔ ایک نقاد نے بجا طور پر کہا "اس کی آخری کتب دراصل اس کی ذاتی اخلاقیات ہیں، جو اس نے اپنے آپ پر قابو پانے سے حاصل کیں۔ سارتر نے کبھی اپنی Moral نہ لکھی، مگر فوکو نے لکھ ڈالی۔" ایک اور تجزیہ نگار نے نشاندہی کی کہ قدیم یونان کی طرف فوکو کا رجوع، جیسا کہ *History of Sexuality* میں نظر آتا ہے، دراصل اس کی اپنی فکری بنیاد کا انکشاف ہے۔ البتہ اس بات کو بھی سمجھنا

ضروری ہے کہ کسی نے بھی فوکو کی پوری فکر کو محض اس کی ہم جنس پرستی تک محدود کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جیسا کہ بعض سطحی امریکی جامعاتی ناقدین کرتے ہیں، گویا ایک ہی عنصر اس کی فکر کی گہرائی کو سمجھنے اور ختم کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس سلسلے میں سارتر کا وہی جواب موزوں ہے جو اس نے ایک سطحی مارکسی اعتراض پر دیا تھا "ہاں، پال والیری چھوٹے بورژوا تھے، لیکن سبھی چھوٹے بورژوا پال والیری نہیں ہوتے۔"(11)

یہی نکتہ فوکو کی فکری تشکیل کو سمجھنے میں کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ کسی بھی فلسفی یا مفکر کا فکری منصوبہ اکثر اس کے ابتدائی اور بنیادی تجربے سے جنم لیتا ہے۔ فوکو کی علمی مہم بھی اسی ذاتی اور اجتماعی کشمکش سے ابھری۔ فوکو کی فکری تشکیل میں اس کی ذاتی زندگی کے تلخ اور پیچیدہ تجربات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خاص طور پر وہ زمانہ جب ہم جنس پرستی کو بیماری، پسماندگی یا نفسیاتی بگاڑ کے طور پر دیکھا جاتا تھا۔ فوکو نے نفسیات اور ماہرینِ نفسیات کے بیانیوں کو صرف پڑھا ہی نہیں بلکہ ان پر سوال اٹھایا اور انہیں چیلنج بھی کیا۔ وہ بارہا ان علوم کے دعوے داروں کو طنزیہ انداز میں مخاطب کرتا "کیا تم واقعی جانتے ہو کہ یہ سب کیا ہے؟ کیا تم اپنی عقل کے بارے میں مطمئن ہو؟ کیا تم اپنے سائنسی تصورات کے بارے میں پُراعتماد ہو؟" یہی وہ پس منظر تھا جس میں دومینیک فرنانڈیز نے اپنے دور کے ہم جنس پرستوں کی حالتِ زار بیان کی۔ اس کے مطابق:

> یہ نفسیات اور نفسیاتی تجزیے کا زمانہ تھا۔ پادریوں اور پولیس کی جگہ اب ڈاکٹر لے چکے تھے۔ وہ ہم جنس پرستی کے بارے میں فیصلے صادر کرتے اور یہ فیصلے اس لیے زیادہ اثر رکھتے کیونکہ وہ بظاہر 'سائنسی' اختیار سے نکلتے اور ان میں ایک قسم کی پدرانہ مہربانی جھلکتی۔ جب بھی کوئی ماہرِ نفسیات یہ لکھتا کہ "میں نے کبھی کسی ہم جنس پرست کو خوش نہیں پایا" تو میں اسے ایک قطعی سچائی مان لیتا اور اپنے دکھ کے شعور میں مزید سکڑ جاتا(12)۔

درج بالا اقتباس نہ صرف اس عہد کے جبر کو ظاہر کرتا ہے بلکہ یہ بھی واضح کرتا ہے کہ کس طرح 'سائنس' کے پردے میں پیش کیے گئے فیصلے افراد کی داخلی زندگی پر کاری ضرب لگاتے تھے۔ یہی کیفیت فوکو کی نفسیات اور نفسیاتی تجزیے میں غیر معمولی دلچسپی کی بنیاد بنی۔ اس کے قریبی ساتھیوں کا کہنا تھا "اس کی نفسیات میں دلچسپی اس کی ذاتی زندگی کے عناصر سے جڑی ہوئی تھی۔" فوکو نے بعد میں اس تعلق کو خود بھی تسلیم کیا۔ 1981 میں اس نے کہا:

> جب بھی میں نے کوئی نظریاتی کام کیا، وہ میری اپنی ذاتی تجربے کے عناصر سے شروع ہوا۔ ہمیشہ ان عملوں سے تعلق رکھتے ہوئے جو میں اپنے ارد گرد وقوع پذیر ہوتے دیکھتا تھا۔ کیونکہ میں چیزوں، اداروں اور دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات میں دراڑیں، خاموش جھٹکے اور بگاڑ محسوس کرتا تھا، اسی لیے میں نے ایسا کام کیا۔ یہ میری سوانحِ عمری کا ایک ٹکڑا ہے۔(13)

یہ اعتراف اس بات کا ثبوت ہے کہ فوکو کے لیے فکر اور زندگی دو الگ دنیائیں نہ تھیں بلکہ ایک دوسرے سے جڑی ہوئی حقیقتیں تھیں۔ اسی وجہ سے اس نے اپنی تحریروں میں 'حدود شکنی' اور 'انتہائی تجربے' جیسے موضوعات کو جگہ دی۔ بطای، بلانشو اور کلوسوسکی جیسے مصنفین کے اثرات نے اس کی فکری جستجو کو تقویت دی، جہاں 'تجاوز' اور 'سرشاری' کو ایک فکری اور وجودی امکان کے طور پر دیکھا گیا۔ اگرچہ دومینیک فرنانڈیز نے بعد میں فوکو پر یہ تنقید کی کہ اس نے اپنی ہم جنس پرستی پر کھلے عام بات نہیں کی اور اسے ایک 'خاموشی' کے پردے میں رکھا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ فوکو نے ہمیشہ 'اعتراف' کے جبر کو مشکوک نظروں سے دیکھا۔ اس کی آخری تحریروں میں بار بار یہ سوال ابھرتا ہے کہ کیا ہر حساس تجربے کو زبان دینا ضروری ہے؟ یا خاموشی بھی ایک مزاحمت کی صورت ہو سکتی ہے؟ یہی وہ نکتہ ہے جو فوکو کو اپنے زمانے کی ہم جنس پرست تحریکوں اور سماجی بیانیوں سے الگ کرتا ہے۔ اس نے ذاتی زندگی کو محض انکشاف کے طور پر پیش کرنے سے گریز کیا، لیکن ساتھ ہی اسے ایک ایسے فکری سرمایہ میں ڈھال دیا جو طاقت، علم، اداروں اور جنسیت کے ڈھانچوں کو نئے سرے سے سمجھنے کا ذریعہ بنا۔

فوکو کی فرانسیسی کمیونسٹ پارٹی سے وابستگی نہایت مختصر اور حاشیائی نوعیت کی تھی، جو بمشکل چند ماہ سے ڈیڑھ سال تک قائم رہی۔ اس شمولیت کے پس پردہ اس کی فکری جستجو اور اس وقت کے دانشورانہ ماحول کے تقاضے تھے، تاہم جلد ہی یہ وابستگی ایک شدید گھٹن کا باعث بن گئی۔ سب سے بنیادی وجہ وہ رویہ تھا جس کے تحت کمیونسٹ پارٹی ہم جنس پرستی کو "سرمایہ دار طبقے کا عیب" اور "زوال کی علامت" سمجھ کر مسترد کرتی تھی۔ اس ماحول میں فوکو کو احساس ہوا کہ اس کی ہم جنس پرستی نے اسے جماعت کے حاشیے پر لا کھڑا کیا ہے۔ کئی اور افراد کو بھی اسی بنیاد پر پارٹی سیل سے نکال دیا گیا اور بالآخر فوکو کو بھی یہی صورت حال درپیش ہوئی۔ فوکو کے قریبی استاد اور دوست لوئی آلتھیوسر نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ فوکو کمیونسٹ پارٹی سے "اپنی ہم جنس پرستی کی وجہ سے" نکلا[14] یہ بات نہ صرف اس کے ذاتی وجود کے جبر کو ظاہر کرتی ہے بلکہ یہ بھی بتاتی ہے کہ اُس دور میں سیاسی اور نظریاتی ڈھانچوں کے اندر "جنسیت" کو کس طرح طاقت اور اخراج کے آلے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ ای این ایس کے برسوں میں فوکو کے بے شمار عارضی تعلقات تھے، لیکن کچھ رشتے ایسے بھی تھے جنہوں نے اس کی زندگی اور شخصیت پر دیرپا اثر ڈالا۔ ان میں سب سے نمایاں تعلق فرانسیسی موسیقار ژاں باراکے کے ساتھ تھا۔ دونوں کی پہلی ملاقات 1952ء میں رویومانٹ (Royaumont) میں ہوئی، جہاں آلتھیوسر طلبہ کو agrégation کی تیاری کے لیے لے جایا کرتا تھا۔ یہیں سے دونوں کے درمیان تعلق قائم ہوا جو جلد ہی جذباتی اور جنسی سطح تک جا پہنچا۔ باراکے اور فوکو کا رشتہ ابتدا سے ہی انتشار اور شدت سے بھرا ہوا تھا۔ تعلق میں محبت اور کشش کے ساتھ ساتھ تشدد آمیز رویے اور سَیڈو-میساکزم (تشدد پر مبنی جنسی) رجحانات بھی شامل تھے۔ ایک موقع پر فوکو نے باراکے کو یوں بیان کیا:

> دلکش مگر جوئیں جیسا بدصورت... جہاں بدکردار لڑکوں کا معاملہ ہو، وہاں
> اس کی معلومات انسائیکلوپیڈیا کی حدود کو چھونے لگتی ہیں[15]۔

دونوں نے ایک ساتھ تعطیلات گزاریں، مگر زیادہ تر وقت فوکو Le Prieur میں تنہائی میں گزار تا رہا۔ فلم Séquence کے پریمیئر کے بعد باراکے نے فوکو کو ایک خط لکھا جس میں اس نے واضح کر دیا کہ "میں مزید 'دسمبر' نہیں چاہتا؛ میں اب اس 'ذلت' کو دوبارہ نہ جھیلنا چاہتا ہوں اور نہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اس منحوس سر چکرانے (vertigo) سے بچ نکلا ہوں۔" ایک قریبی دوست نے باراکے کو خبردار بھی کیا" یہ آدمی تمہیں تباہ کر دے گا جب وہ خود کو تباہ کر چکا ہو گا۔"[16] اس نصیحت میں وہ خدشہ شامل تھا کہ فوکو کا طرزِ عمل اور اس کے جذباتی اتار چڑھاؤ تعلق کو نقصان پہنچانے والے عناصر ہیں۔ مئی 1956 میں فوکو نے صلح کی کوشش کی، مگر باراکے نے مصالحت قبول نہ کی اور تعلق باقاعدہ ختم ہو گیا۔ باراکے کے خط میں آیا ہوا"ذلت"کا لفظ مبہم ضرور ہے، لیکن بعد کے محققین نے اس کو تعلق میں موجود سَیڈو-میسا کزم (تشدد پر مبنی جنسی) پہلو یا باہمی نفسیاتی دباؤ کے استعارے کے طور پر پڑھا ہے۔ اس طرح باراکے کے ساتھ اس تعلق کے اختتام نے فوکو کے اندر ایک گہری بے چینی کو جنم دیا، جو اس کی جنسی زندگی کے دیگر تجربات کی طرح اس کی فکری جستجو کا بھی حصہ بنی۔

باراکے سے قطع تعلق کے بعد فوکو کی زندگی میں رولاں بارتھ کا داخلہ ہوا۔ 1955ء میں رابرت موزی (Robert Mauzi) کے ذریعے پہلی ملاقات کے بعد دونوں میں قریبی دوستی اور اعتماد پر مبنی رشتہ قائم ہوا۔ بارتھ کی شخصیت بھی فوکو کی طرح غیر مستحکم تھی، لیکن وہ ایک ابھرتے ہوئے ادیب اور نقاد کے طور پر شہرت پا رہا تھا۔ دونوں کی ہم جنس پرستی ایک مشترکہ قدر تھی، اگرچہ اس کے اظہار کے طریقے مختلف تھے۔ فوکو اپنی جنسی شناخت کو اپنے حلقے میں چھپاتا نہ تھا، جبکہ بارتھ نے اپنی ماں سے آخری وقت تک اسے پوشیدہ رکھا۔ اس اختلاف کے باوجود، دونوں میں ایک گہرا تعلق پیدا ہوا۔ وہ اکثر پیرس کے کیفوں اور کلبوں میں راتیں گزارتے اور بعض مواقع پر عشقیہ تعلق بھی قائم ہوا۔ ان کے درمیان قائم یہ رشتہ فوکو کی شخصیت کی اس جہت کو مزید واضح کرتا ہے کہ اس کے ذاتی اور فکری تجربات مسلسل ایک دوسرے میں گتھے ہوئے تھے۔

رولاں بارتھ کے ساتھ دوستی اور فکری تبادلۂ خیال کے بعد، فوکو کی زندگی میں ایک اور اہم رشتہ ژاں پال آرون کے ساتھ قائم ہوا۔ فوکو اور ژاں پال آرون (Jean-Paul Aron) کی پہلی قریبی ملاقات 1951 میں ہوئی، جب دونوں *agrégation* کی تیاری کے سلسلے میں ایک دوسرے کے قریب آئے۔ آرون بھی نورمالین تھا اور غیر رسمی طور پر ای این ایس کے کورسز لیتا تھا۔ دونوں ہی ہم جنس پرست تھے اور ان کا تعلق ابتدا ہی سے ایک ایسے رشتے میں ڈھل گیا جس میں فکری رفاقت اور جنسی پہلو گڈمڈ ہو گئے۔ یہ تعلق طویل مدتی رقابت کی بنیاد بھی بنا، کیونکہ باہمی کشش کے ساتھ ساتھ حسد اور مسابقت بھی ان کے درمیان موجود رہی۔ آرون اور فوکو کی قربت لِلّے میں قیام کے دوران اور بھی نمایاں ہوئی۔ وہ اکثر ایک دوسرے سے ملتے، اکٹھے کھانا کھاتے اور روزمرہ کی دلچسپیوں میں شریک رہتے۔ لیکن یہ دوستانہ ماحول زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ تعلق اس وقت تلخ ہو گیا جب ایک شدید جھگڑے کے بعد آرون کا نوجوان عاشق اسے چھوڑ کر فوکو کے پاس آ گیا۔ اس واقعے نے نہ صرف ان کے ذاتی تعلقات کو بگاڑا بلکہ آرون کے اندر شدید حسد اور غصہ بھی پیدا کیا۔ یہی

حسد بعد میں اس کے علمی رویّے میں بھی جھلکتا رہا۔ فوکو کی شہرت اور علمی کامیابی نے آرون کی رقابت کو مزید تیز کیا۔ یہاں تک کہ بعد ازاں جب اس نے *Les Temps Modernes* میں فوکو پر لکھا، تو اس کی تحریر میں ایک واضح زہریلا پن محسوس ہوتا ہے[17] بعد کے اعترافات سے بھی یہ بات سامنے آئی کہ آرون دراصل فوکو کی ذہانت اور اس کی کامیابی سے شروع دن سے حسد کرتا تھا، اگرچہ ان دونوں نے ایک وقت میں مل کر *agrégation* کے لیے نوٹس بھی تیار کیے تھے۔ یوں ژاں پال آرون اور فوکو کے تعلق نے دونوں کی فکری اور ذاتی زندگیوں پر گہرا اثر چھوڑا۔

ژاں پال ارون کے ساتھ کشیدہ تعلقات کے بعد فوکو کی ذاتی زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا۔ اکتوبر 1960 میں، جب وہ پیرس واپس آیا اور کلرمونٹ میں تدریسی ذمہ داریوں کے لیے متعین ہوا، رابرٹ موزی نے اس کا تعارف ایک ایسے شخص سے کروایا جس نے آگے چل کر اس کی زندگی پر گہرے اثرات ڈالے۔ یہ شخص ڈینیئل ڈیفیرٹ تھا، جو École Normale de Saint-Cloud میں تعلیم پا رہا تھا اور الجزائر کی جنگ کے خلاف سرگرم سیاسی مزاحمت کا حصہ تھا۔ ڈیفیرٹ کی شخصیت میں وہ توانائی اور سیاسی شعور موجود تھا جو فوکو کے لیے نیا اور پُرکشش تھا۔ دونوں کے درمیان تعلق محض جذباتی وابستگی نہ تھا بلکہ یہ اس عہد کے فکری اور سیاسی تناظر میں بھی ایک بامعنی رشتہ تھا۔ فوکو نے اپنی سابقہ رفاقتوں کے برعکس یہاں ایک ایسا ساتھی پایا جو نہ صرف زندگی کی حرارت رکھتا تھا بلکہ سماجی ناانصافی کے خلاف عملی جدوجہد میں بھی مصروف تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا تعلق محض وقتی نہیں رہا بلکہ جلد ہی دونوں نے اپنی زندگی ایک ساتھ گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

ان تعلقات کے ساتھ ساتھ، فوکو کی زندگی ایک اور رخ تب اختیار کرتی ہے جب وہ وارسا تعینات ہوا۔ یہ مرحلہ بھی اس کی ہم جنس پرستی کے باعث غیر معمولی مشکلات سے دوچار ہوا۔ پولینڈ میں اس کی نیم سفارتی حیثیت تھی، مگر ساتھ ہی اس کی جنسی شناخت بھی کوئی راز نہ رہی۔ جلد ہی یہ بات خفیہ پولیس کی نظر میں آ گئی اور وہ ایک ایسے تعلق میں الجھا دیا گیا جسے روایتی "ہنی ٹریپ" کہا جا سکتا ہے۔ فوکو ایک نوجوان سے وابستہ ہوا، جس کا پس منظر "بورژوا–قوم پرست" قرار دیا گیا۔ اُس نوجوان نے اپنی تعلیمی سہولتوں کے بدلے مخبر کا کردار قبول کیا اور یوں فوکو ایک باضابطہ جال میں پھنس گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرانسیسی سفیر نے اسے طلب کر کے واضح مشورہ دیا کہ وہ فوراً وارسا چھوڑ دے۔

یہ واقعہ محض ایک ذاتی سانحہ نہ تھا بلکہ اس بات کی علامت بھی تھا کہ فوکو کی جنسی شناخت اس کے علمی اور پیشہ ورانہ سفر پر کس حد تک اثر انداز ہوتی رہی۔ جس طرح کمیونسٹ پارٹی میں اسے ہم جنس پرستی کے سبب حاشیے پر ڈال دیا گیا تھا، ویسے ہی پولینڈ میں بھی یہی اس کے نکالے جانے کا بنیادی سبب بنا۔ یہاں فوکو نے جس جبر کا سامنا کیا وہ اس کے فکری سفر کو مزید گہرا کرنے والا تجربہ ثابت ہوا، کیونکہ یہی وہ لمحے تھے جب اس نے سوشلسٹ نظام کی سخت گیر اخلاقیات اور جنسی شناخت کو دبانے والی طاقتوں کو قریب سے محسوس کیا۔ جیسا کہ اس نے بعد ازاں اپنے استاد لوئی ژیرارڈ سے کہا تھا "پولینڈ کا اصل مسئلہ اس کا سوشلسٹ نظام تھا۔[18] یوں کہا جا سکتا ہے کہ پولینڈ کا تجربہ فوکو کے لیے ایک اور مثال بن گیا کہ کس طرح

طاقت کے ڈھانچے، چاہے وہ جماعتی ہوں یا ریاستی، جنسی انفرادیت کو دبانے کے لیے جال بچھاتے ہیں۔ یہ تجربہ اس کی فکری تشکیل میں اتنا ہی اہم ثابت ہوا جتنا کہ اس کی کمیونسٹ پارٹی سے رُخصتی۔

1970 کی دہائی کے آغاز میں فرانس میں دو بڑی تحریکیں بیک وقت سامنے آئیں؛ نسائیت (feminism) اور ہم جنس پرستوں کی آزادی(gay liberation)۔ فوکو کی توجہ زیادہ تر ہم جنس پرستی کے سوال پر مرکوز رہی، جبکہ نسائیت اس کے فکری یا ذاتی مباحث میں کوئی نمایاں جگہ نہ پا سکی۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر اکثر یہ تنقید کی گئی کہ اس کی تحریروں میں خواتین کے مسائل، جیلوں اور پاگل خانوں میں صنفی امتیازات کی تفریق شامل نہیں۔ اسی دوران فرنٹ ہوموسیکسیویل ڈیکشن ریویلیشنیر (Front Homosexuel d'Action Révolutionnaire - FHAR)وجود میں آیا۔ اگرچہ یہ کوئی منظم ادارہ نہیں تھا بلکہ خواہش، جنسی آزادی اور بغاوت کا شوریدہ اظہار تھا، لیکن اس نے ہم جنس پرستوں کے سوال کو عوامی سطح پر ایک نئے سیاسی بیانیے میں داخل کر دیا۔ اس کا علامتی چہرہ گائی ہوکینگھم (Guy Hocquenghem)تھا، جسے پارٹی (PCF) سے اسی کی جنسی شناخت کے باعث نکال دیا گیا تھا۔ 1972 میں شائع ہونے والے اس کے انٹرویو La Révolution des homosexuels کو مین اسٹریم میڈیا میں پہلا باقاعدہ "کمنگ آؤٹ" تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی کتاب Le Désir homosexuel نے ہم جنس پرستی کو نہ صرف شناختی سیاست بلکہ جنسی آزادی کے ایک نئے سیاسی تصور کے طور پر متعارف کرایا۔

فوکو براہِ راست FHAR کی سرگرمیوں میں شریک نہ تھا، لیکن اس کے کئی قریبی دوست اس تحریک سے وابستہ تھے۔ اس کا فاصلہ محض سیاسی نہیں تھا بلکہ فکری بھی تھا۔ فوکو جنسی آزادی کے اس نعرے پر شکوک رکھتا تھا اور جیسا کہ بعد میں تاریخِ جنسیت کی پہلی جلد میں ظاہر ہوتا ہے، اس کے نزدیک 'آزادی' کے یہ دعوے خود ایک نئے جبر اور اعترافی میکانزم میں بدل سکتے تھے۔ یہاں ایک پہلو عمر کا بھی تھا۔ جس وقت FHAR اور متبادل ثقافت سے جڑے نوجوان نعرہ بلند کر رہے تھے کہ "ہم تیس سال سے زیادہ عمر والوں پر بھروسہ نہیں کرتے"، فوکو چالیس برس کا ہو چکا تھا۔ اس کا نظریاتی فاصلہ اور نسلی تناظر میں ہم جنس پرستی کے سوال کو دیکھنے کا انداز ان نوجوان انقلابیوں کے لیے کم کشش رکھتا تھا۔[19] یوں کہا جا سکتا ہے کہ 1970ء کی دہائی فوکو کے لیے ایک نیا موڑ تھی۔ اس نے ہم جنس پرستی کو صرف ذاتی شناخت کے مسئلے کے طور پر نہیں دیکھا، بلکہ اس کے سماجی، سیاسی اور نظریاتی جال کو بے نقاب کیا۔

فوکو جنسیت کو محض جبر یا خاموشی کے تناظر میں نہیں دیکھتا بلکہ یہ دکھانے کی کوشش کرتا ہے کہ جدید معاشرے میں جنسیت کے گرد مسلسل خطابات پیدا کیے گئے۔ اس کے مطابق انیسویں صدی کا وکٹورین عہد جسے 'اخلاقی جبر' کے زمانے کے طور پر بیان کیا جاتا ہے، حقیقت میں جنسیات پر کثرتِ کلام کا دور تھا۔ اعتراف (confession) کے نظام سے لے کر فحش نگاری کی روایت تک، ہر طرف 'سب کچھ کہنے' کی ایک سماجی و سائنسی مجبوری نے جنم لیا اور اسی کے ساتھ 'ہم جنس پرست' ایک نئی شناخت کے طور پر وجود میں آیا۔ فوکو نے اس بحث میں خواہش (desire) اور لذت (pleasure) کے درمیان ایک اہم فرق قائم کیا۔ دیلوز اور گوٹاری کی *Anti-Oedipe* خواہش کو ایک تخلیقی اور ہمہ وقت متحرک

قوت کے طور پر پیش کرتی ہے، لیکن فوکو اس بیانیے سے الگ ہو کر "اجسام اور لذتوں" کی معیشت پر زور دیتا ہے۔ اس کے نزدیک مسئلہ یہ نہیں کہ خواہش کو آزاد کیا جائے بلکہ یہ ہے کہ لذتوں کے نئے امکانات تخلیق کیے جائیں، جنہیں جنس اور شناخت کے جبر سے آزاد کیا جا سکے۔ جیسا کہ اس نے کہا:

'وہ یہ چاہتا تھا کہ جنسیت کے اداس صحرا کا خاتمہ ہو، جنس کی بادشاہت کا خاتمہ ہو[20]۔

فوکو کی فکری اور ذاتی زندگی میں 1970ء کی دہائی نئے امکانات اور تجربات کا زمانہ تھی۔ جنسیت اور لذت کے اپنے مباحث کے تسلسل میں اُس نے کیلیفورنیا میں ایک ایسا تجربہ کیا جس نے اس کے فکری رویے پر نمایاں اثر ڈالا۔ یہ تجربہ LSD کے استعمال کا تھا، جو اُس وقت صرف ایک تفریحی نشہ نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ شعور اور ادراک کی نئی جہات تک پہنچنے کا ایک رسمی ذریعہ مانا جاتا تھا۔ آلڈوس ہکسلے جیسے ادیبوں نے پہلے ہی اسے "ادراک کے دروازے" کھولنے والی قوت کے طور پر بیان کر رکھا تھا اور فوکو نے خود کو اسی روایت میں شامل پایا۔ فوکو نے LSD پہلی بار 'ڈیتھ ویلی' کے صحرا میں دو ہم جنس پرست دانشوروں کے ساتھ استعمال کیا۔ پس منظر میں اسٹاک ہاؤسن کی موسیقی اور صحرائی رات کی وسعت نے اس تجربے کو ایک طرح کا جمالیاتی اور روحانی رنگ دے دیا۔ بعد ازاں اُس نے کلاڈ موریاک سے کہا کہ یہ تجربہ اُس کی زندگی کا ایک فیصلہ کن لمحہ تھا، جہاں شراب، موسیقی اور ہم خیال رفقا کے ساتھ وہ ایک ایسی کیفیت سے گزرا جسے وہ ناقابلِ فراموش قرار دیتا ہے۔[21] حقیقی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو فوکو کے نزدیک LSD محض ایک جسمانی یا وقتی سرور نہ تھا، بلکہ یہ ایک ایسی "بے عقلی" یا جنون کی کیفیت کا دروازہ تھا جو "عام" اور "مریضانہ" کے درمیان قائم روایتی تقسیم سے آزاد کر دیتی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ LSD کے ذریعے فرد اس سرحد کو عبور کرتا ہے جس پر عام فہم عقل اور سائنسی شعور پابندی عائد کرتے ہیں۔ یہ تجربہ فوکو کے اُس بڑے فکری منصوبے سے ہم آہنگ تھا جو وہ تاریخِ جنسیت میں پیش کرتا ہے، یعنی لذت کو نئی معیشت اور نئے تعلقات کی بنیاد کے طور پر دیکھنا اور طاقت کے جبر سے آزاد ایک وجودی جمالیات کی تشکیل۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ فوکو کے لیے LSD کا تجربہ ایک علامت بن گیا، ایسی علامت جو اس کے لذت کے تصور اور "جنون" کی تفہیم دونوں کو نئی روشنی میں سامنے لاتی ہے۔ اس تجربے کے ذریعے وہ اس نتیجے تک پہنچا کہ انسانی شعور کو نہ تو محض جنسی سچائی کے خطابات میں قید کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی عقلی / مریضانہ کی سخت تقسیم میں، بلکہ اسے نئی لذتوں، نئی کیفیتوں اور نئے امکانات میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔

فوکو کی فکری زندگی کے آخری برسوں میں امریکہ، بالخصوص کیلیفورنیا اور نیویارک ایک نئی "تجربہ گاہ" بن کر سامنے آئے۔ فرانس سے اس کی بیزاری اور امریکی معاشرے کی کھلی فضاء نے اسے بار بار وہاں کھینچا۔ کیلیفورنیا اور نیویارک کی ہم جنس پرست ثقافتوں نے، بالخصوص نائٹ کلبوں اور باتھ ہاؤسز کے مخفی کمروں میں، اسے اس دائرے سے روشناس کرایا جہاں جنس محض ایک عمل نہ رہی بلکہ ایک مسلسل تخلیقی امکان میں بدل گئی۔ فوکو نے ان مقامات کو "جنسی تجربات کی تجربہ گاہیں" کہا۔ ایسی جگہیں جہاں بدن اپنی محدودیتوں کو توڑ کر لذت کے نئے امکانات دریافت کرتا تھا۔ ان تجربات

میں نئی اور اجنبی صورتیں سامنے آتی گئیں۔ مثلاً "رِمنگ" (مقعد سے منہ کی لذت) اور "فِسٹ فکنگ" (مٹھی کے ذریعے دخول) جیسی مشقیں اب عام ہو چکی تھیں۔ اس ثقافت نے اپنی ایک علامتی زبان بھی وضع کر لی تھی؛ رومال کا رنگ یا بیلٹ پر چابیوں کی ترتیب یہ ظاہر کرتی تھی کہ فرد کی جنسی ترجیحات کیا ہیں اور وہ کس قسم کے عمل کے لیے آمادہ ہے۔ چمڑے کی مخصوص پوشاکیں محض زیبائش نہ رہیں بلکہ ایک کھلی شناخت بن گئیں جو جنسی رجحانات کو نمایاں کرتی تھیں۔

ان اندھیرے کمروں میں اجنبیوں کے ساتھ جنسی تعلق قائم کرنے کا تجربہ، فرد کی انفرادیت کو ایک نئی اور آزاد سطح پر زائل کر دیتا تھا۔ گویا یہاں "خودی" کی پرانی شناخت تحلیل ہو جاتی اور بدن ایک ایسے اشتراک کا حصہ بن جاتا جہاں لذت اور تعلق کی نئی جہات دریافت ہوتیں۔ فوکو اس بات پر قائل تھا کہ ایسے تجربات، بالخصوص سادو-میساکزم "جنسی عمل کی ایک نئی صنف" ہیں، جو محض دخول اور انزال کی سطح سے آگے بڑھ چکی ہیں۔ اس میں طاقت ایک کھیل کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔ ایسا کھیل جس میں مالک اور غلام کے کردار کبھی ضم ہو جاتے، کبھی پلٹتے اور پھر نئی ترتیب میں ابھرتے۔ اس طرح لذت صرف جسمانی سطح تک محدود نہ رہتی بلکہ ذہنی اور وجودی شدت بھی پیدا کرتی۔ فوکو نے ایک موقع پر کہا "Pleasure of drinking, fucking and eating" یعنی روزمرہ کی بنیادی خوشیاں بھی جب نئی ترتیب میں داخل ہوں تو وہ جنس اور بدن کی نئی صورت گری کرتی ہیں۔[22]

اس سیاق میں فوکو نے بار بار اس نکتے پر زور دیا کہ لذت محض ایک وقتی یا بے قابو کیفیت نہیں ہے، بلکہ یہ ایک سنجیدہ عمل ہے، جس کے لیے ضبط اور انتخاب لازمی ہے۔ اس نے 'اچھی' اور 'بری' دواؤں کے درمیان فرق پر بات کی؛ اس کے نزدیک LSD یا poppers جیسی ادویات بعض اوقات لذت کی نئی جہات کھول سکتی ہیں، لیکن بھاری افیونی نشہ آور اشیاء لذت کو دھندلا کر اس کے جمالیاتی امکان کو ضائع کر دیتی ہیں۔ یہاں فوکو کی وہی فکر جھلکتی ہے جو اس نے بعد میں اپنی تحریروں میں "خودی کی تشکیل" اور "لذتوں کے استعمال" کے تصور کے ساتھ جوڑی۔ یہی نکتہ اُس کے آخری لیکچرز اور تاریخ جنسیت کی بعد کی جلدوں میں بھی سامنے آتا ہے، جہاں وہ یونانی تصور chresis aphrodision یعنی "لذتوں کا استعمال" کو بنیاد بنا کر کہتا ہے کہ فرد اپنی جنسی اور سماجی زندگی کو کس طرح سنوارتا ہے اور اپنے رویوں کو کس طرح معنی دیتا ہے۔ یوں لذت، محض جسمانی تسکین سے بڑھ کر ایک وجودی جمالیات میں ڈھل جاتی ہے، ایسا طریقہ جس میں فرد اپنے وجود کو ضبط اور آزادی کے بیچ میں تراشتا ہے۔

لیکن جلد ہی یہ مقامات اور تصورات ایک نئے خطرے کی علامت بننے لگے۔ 1981ء میں نیویارک ٹائمز نے رپورٹ کیا کہ ہم جنس پرست مردوں میں ایک نایاب سرطان کی تشخیص ہوئی ہے، جسے بعد میں ایڈز (AIDS) کا نام دیا گیا۔ ابتدا میں اس بیماری کو "گے کینسر" کہا گیا اور خود فوکو نے بھی اس اصطلاح پر طنزیہ ردعمل ظاہر کیا، کیونکہ اس کے نزدیک جنسیت کو بیماری کے ساتھ نتھی کرنا محض تعصبات کی پیداوار تھا۔ تاہم حقیقت یہ تھی کہ یہی مرض اس کے اپنے بدن میں خاموشی سے جگہ بنا رہا تھا۔ 1982 میں ٹورنٹو کے باتھ ہاؤسز بند کیے گئے تو فوکو نے واضح الفاظ میں کہا:

جنسی زندگیوں کا قانون سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ اس معاملے میں
کوئی مصالحت ممکن نہیں تھی اور ہم جنس پرستوں کو سخت مؤقف اختیار کرنا
چاہیے۔(23)

یہ جملہ نہ صرف اُس کے سیاسی موقف کی عکاسی کرتا ہے بلکہ جنسیت کو آزادی اور خود مختاری کے ساتھ جوڑنے کی اُس کی مستقل جستجو کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ تاہم جلد ہی اس کی اپنی صحت بگڑنے لگی۔ ابتدا میں سائنوس کی سوجن، تھکن اور پھر وزن میں نمایاں کمی ظاہر ہوئی۔ اُس نے ایڈز کے امکان کو تسلیم نہیں کیا، مگر اس کا جسم دھیرے دھیرے کمزور ہوتا گیا۔ مارچ 1984ء میں کولیژدے فرانس میں اس کا آخری لیکچر "سچ بولنے کی جرأت" پر تھا۔ گویا اپنی ہی زیست کے آخری لمحوں میں بھی وہ پارریسیا(Parrhesia) ، یعنی سچ کہنے کی اخلاقی جرات کو موضوع بنا رہا تھا۔ جون 1984 میں فوکو کی حالت نازک ہو گئی اور 25 جون کو وہ دم توڑ گیا۔ اس کی موت کو ڈاکٹروں نے "سپٹیسیمیا اور اعصابی پیچیدگیوں" سے تعبیر کیا، لیکن عام رائے یہی تھی کہ وہ ایڈز کا شکار ہوا تھا۔

فوکو کی موت محض ایک ذاتی سانحہ نہ تھی بلکہ اس نے سماجی اور فکری سطح پر گہری بحثوں کو جنم دیا۔ اگرچہ اسپتال نے باضابطہ طور پر اس کی موت کی وجہ سپٹیسیمیا اور اعصابی پیچیدگیوں کو قرار دیا، مگر اخبارات اور عوامی گفتگو میں یہ وضاحت افواہوں کو روکنے میں ناکام رہی۔ کچھ جرائد نے دماغی رسولی کا ذکر کیا، کچھ نے 'دماغی انفیکشن' یا 'نیورولوجیکل ڈس آرڈر' کہا، جبکہ امریکی اخبارات نے 'وجہ فوری طور پر ظاہر نہیں کی گئی' لکھ کر مزید ابہام پیدا کیا۔ اس ابہام نے اس تاثر کو تقویت دی کہ فوکو ایڈز کا شکار تھا۔ یہ بحث محض طبی مسئلہ نہیں تھی؛ اس کے پیچھے سماجی تعصبات اور ہم جنس پرستی کے خلاف پھیلی بدگمانیاں بھی کارفرما تھیں۔ Libération جو کبھی فوکو کے ساتھ منسلک رہا تھا، نے ایک طرف تو اس افواہ کی تردید کی لیکن ساتھ ہی ایک مبہم تحریر کے ذریعے گویا اسے تصدیق کا رنگ بھی دے دیا۔ ہوکونگھم نے بجا طور پر اسے "بری نیت سے کیا گیا اشارہ" کہا۔ یعنی فوکو کی موت کو شرمندگی اور سکینڈل کی صورت میں پیش کرنا۔

ژاں-پال ارون نے، جو خود بھی ایڈز سے متاثر ہوا، اپنی روداد *Mon sida* میں فوکو پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ اپنی ہم جنس پرستی اور اپنی بیماری دونوں پر شرمندہ رہا۔ یہ الزام نہ صرف ذاتی رقابت کے تسلسل کی علامت تھا بلکہ اس بات کی جھلک بھی کہ بیماری اور جنسیت کو کس طرح اخلاقی شرمندگی کے بیانیے میں قید کر دیا جاتا ہے۔ ریجین دیسفورژ (Réjine Desforges) نے بھی 1999ء میں اسی زاویے کو دہرایا اور فوکو کو 'بزدل' قرار دیا کہ اس نے اپنی بیماری کو تسلیم نہ کیا۔ لیکن یہ رائے اس بات کو نظر انداز کرتی ہے کہ اُس وقت ایڈز ابھی ایک نامعلوم اور غیر واضح مرض تھا اور اس کی تشخیص و فہم خود ڈاکٹروں کے لیے بھی مبہم تھی۔

ایڈز کے گرد جو قصے گھومتے رہے مثلاً یہ الزام کہ فوکو نے جان بوجھ کر دوسروں کو متاثر کیا، درحقیقت ان سماجی خوفوں اور تعصبات کی پیداوار تھے جو بیماری کو ایک مخصوص جنسی شناخت کے ساتھ باندھ دیتے تھے۔ فوکو کی شخصیت چونکہ پہلے ہی "ہم جنس پرست دانشور" کے طور پر دیکھی جاتی تھی، اس لیے وہ ایسی تمام افواہوں کا آسان ہدف بن گیا۔ اس بحث میں

ہروائے گبیر کا ناول *A l'Ami qui ne m'a pas sauvé la vie* ایک اور تہلکہ خیز اضافہ تھا۔ اس میں فوکو کو ایک فرضی کردار کے طور پر دکھایا گیا جو اپنی بیماری سے واقف ہے اور اپنی لذتوں کو سادو-میسا کزم کے دائرے میں ڈھونڈتا ہے۔ا[24] گرچہ ناول میں مبالغہ اور افسانوی رنگ نمایاں ہے، لیکن اس نے فوکو کی جنسی زندگی کو ایڈز کے تناظر میں مزید اسکینڈلائز کر دیا۔

تاہم فوکو کی یاد کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے؛ ڈینیئل ڈیفر نے اس کے ساتھی اور وارث کی حیثیت سے، نہ صرف ذاتی صدمے کو برداشت کیا بلکہ اسے عملی جدوجہد میں ڈھال دیا۔ اس نے 1984ء ہی میں AIDES نامی تنظیم قائم کی، جو فرانس میں ایڈز کے مریضوں کے لیے پہلی باقاعدہ ایسوسی ایشن تھی۔ یہ تنظیم اس بات کا ثبوت ہے کہ فوکو اور اس کے قریبی لوگ اپنی جنسیت یا بیماری پر شرمندہ نہیں تھے، بلکہ اسے اجتماعی سطح پر مدد اور مزاحمت میں تبدیل کر رہے تھے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ فوکو کی موت نے جس بحث کو جنم دیا، وہ اس کے فلسفے کے اس بنیادی نکتے کو مزید واضح کرتی ہے کہ طاقت صرف جبر نہیں کرتی بلکہ خطابات اور سچائیوں کو پیدا کرتی ہے۔ ایڈز اور جنسیت پر پھیلی ہوئی یہ خطابات دراصل اس بات کی مثال ہیں کہ معاشرہ بیماری اور جنس کو کیسے معنی دیتا ہے۔

ان تمام مباحث کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ مشل فوکو نے جنسیت کو محض حیاتیاتی جبلت یا انفرادی میلان کے بجائے طاقت، علم اور معاشرتی اداروں کے گہرے تعلقات میں سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ ہم جنس پرستی کو ان قید و بندشوں سے نکالنا چاہتے تھے جو مذہب، طب اور قانون نے صدیوں سے مسلط کر رکھی تھیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اپنی اسی شناخت اور طرزِ زندگی کے باعث فوکو خود شدید ذاتی بحرانوں، تنقید اور سماجی دباؤ کا شکار رہے۔ اس کی زندگی میں تعلقات کی ناکامیاں، بیماری کے خدشات اور معاشرتی طعن و تشنیع اس بات کا ثبوت ہیں کہ جنسیت کو محض آزادی یا لذت کا مسئلہ سمجھ لینا ممکن نہیں۔ اگرچہ یورپ اور مغرب میں ہم جنس پرستی کو قانونی جواز مل چکا ہے، لیکن یہ شبہ نہیں کہ اس کے نقصانات جنہیں خود فوکو نے اپنی زندگی کے تجربات میں بھگتا، آج بھی ہر معاشرے میں موجود ہیں۔ تنقید، شرمندگی اور سماجی اجنبیت وہ پہلو ہیں جو نہ صرف فرد کے لیے کرب کا باعث بنتے ہیں بلکہ معاشرتی سطح پر اخلاقی زوال کی علامت بھی سمجھے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فوکو کی فکر کو سمجھنا محض جنسیت کی آزادی کے لیے نہیں بلکہ اس کے تضادات اور نتائج کے ادراک کے لیے بھی ضروری ہے۔ یوں اس کی فکری وراثت ایک ایسا تنقیدی افق پیش کرتی ہے جو ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ جنسیت کا مسئلہ صرف ذاتی لذت یا آزادی کا نہیں، بلکہ معاشرے کی اخلاقی اور فکری تشکیل کا بھی ہے۔

یہاں یہ پہلو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ فوکو کی ذاتی زندگی کے تضادات اور بحران اگرچہ اسے بارہا کرب اور تنقید میں لے آئے، لیکن انہی تجربات نے اس کی فکری تشکیل میں بھی بنیادی کردار ادا کیا۔ اس کی محبتیں، شکستیں، لذتوں کی جستجو اور بیماری کے خوف نے اسے جنسیت، طاقت اور اداروں کے باہمی تعلقات کو نئے زاویوں سے دیکھنے پر آمادہ کیا۔ یہی وہ پس منظر تھا جس نے اسے *History of Sexuality* جیسی نایاب تصانیف تخلیق کرنے پر ابھارا۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ

فوکو کی فکری جدت محض مطالعے یا نظری مباحث کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ اس کی اپنی زیست کا حاصل بھی تھی۔ اس کی زندگی اور فکر کا یہی امتزاج اسے ان فلسفیوں میں شامل کرتا ہے جنہوں نے ذاتی تجربے کو نظریہ بنا کر پیش کیا۔

حوالہ جات

1. Christian Panier and Pierre Watté, “L'Intellectuel et les pouvoirs,” La Revue nouvelle, Vol. 80, No. 10, October 1984, p. 339.
2. Rux Martin, “Truth, Power, Self: An Interview with Michel Foucault, October 25, 1982,” in Technologies of the Self: A Seminar with Michel Foucault, ed. Luther H. Martin, Huck Gutman, and Patrick H. Hutton, London: Tavistock, 1988, p. 11.
3. Michel Foucault, “The Minimalist Self,” interview by Stephen Riggins, in Politics, Philosophy, Culture: Selected Writings, 1977–1984, ed. Lawrence D. Kritzman, London and New York: Routledge, 1988, p. 16.
4. David Macey, The Lives of Michel Foucault, New York: Verso, 2019, p. 33.
5. Foucault, “The Minimalist Self,” p. 13.
6. Didier Eribon, Michel Foucault (1926–1984), trans. Hildegard Feist, São Paulo: Companhia das Letras, 1990, p. 40.
7. Eribon, Michel Foucault (1926–1984), p. 41.
8. Ibid., p. 41.
9. Dominique Fernandez, Le Rapt de Ganymède, Paris: Grasset, 1989, pp. 291–292.
10. Fernandez, Le Rapt de Ganymède, p. 82.
11. Eribon, Michel Foucault (1926–1984), p. 42.
12. Fernandez, Le Rapt de Ganymède, p. 82.

13.Michel Foucault, "Est-il donc important de penser?," Libération, May 30, 1981, cited in Eribon, Michel Foucault (1926–1984), p. 43.
14.Eribon, Michel Foucault (1926–1984), p. 69.
15.David Macey, Michel Foucault – Critical Lives, London: Reaktion Books, 2004, p. 43.
16.Eribon, Michel Foucault (1926–1984), pp. 89–90.
17.Macey, The Lives of Michel Foucault, p. 60.
18.Michel Foucault, "Interview avec Michel Foucault," interview with C. G. Bjurström, 1968, in Dits et écrits, Vol. 4, Paris: Gallimard, 1994, p. 344.
19.Macey, Michel Foucault – Critical Lives, pp. 103–104.
20.Ibid., p. 120.
21.Ibid., p. 110.
22.Ibid., p. 134.
23.Michel Foucault, "Foucault: Non aux compromis," in Dits et écrits, Vol. 4, pp. 336–337.
24.Macey, Michel Foucault – Critical Lives, pp. 144–145.